عقاب کو دیا گیا ''میر صحافت''، خلیل الرحمان کا نایاب انٹرویو

[پاکستان کے سب سے بڑے اخبار کے مالک ومختار میر خلیل الرحمان پر گزشتہ تین دہائیوں سے سب سے بڑا مصلحت کوش ہونے کی چھاپ لگ رہی ہے۔ الزام یہ ہے کہ حکومتیں آتی ہیں جاتی ہیں مگر ''جنگ'' کا رویہ ہر ایک کے ساتھ ایک ہی ہے۔ چڑھتے سورج کی پوجا اس کا ایمان اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنے قبلے کا رخ بدلتے رہنا اس کا مسلک ہے۔ بلکہ اب تو لوگ اس کے رویے سے قیاس کرتے ہیں کہ سورج کون سی سمت چڑھنے والا ہے۔ ''عقاب'' نے میر خلیل الرحمان سے انٹرویو میں اس تاثر کی حقیقت پوچھی ہے۔ اور عزم وعمل وجہد مسلسل کی وہ کہانی سنی ہے جس نے انہیں ایک معمولی ایڈیٹر سے اردو صحافت کی دنیا کا سب سے طاقتور شخص بنا دیا۔ [ایڈیٹر]

طاہر مسعود: ہم نے سنا ہے کہ آپ نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز بہت نچلی سطح سے کیا تھا اس نچلی سطح سے اتنی بلند ترین سطح تک پہنچنے کی کہانی کیا آپ ہمیں سنانا پسند کریں گے؟

میر خلیل: کہانی یہ ہے کہ محنت سے کام کیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم رہا اتنے بڑے اخبار کو نکالنا اکیلے آدمی کا کام نہیں تھا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ اچھی ٹیم ملی۔ محنتی ورکر ملے جو مخلص بھی تھے اور ہم خیال بھی ان ہی سب باتوں کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔

طاہر مسعود: جناب کہانی اتنی مختصر نہیں ہے کہانی وہاں سے شروع ہوئی جب آپ نے ''جنگ'' کا اجراء کیا بات اس زمانے سے شروع کریں۔

میر خلیل: دلی میں کامرس کا اسٹوڈنٹ تھا والد مرحوم ایک تجارتی فرم میں ملازم پیشہ آدمی تھے اصل میں ہم بہت معمولی لوگ تھے۔ [ٹھہر کر]

اب بھی یہی سمجھتے ہیں تو والد مرحوم نے علی گڑھ سے ایم اے کیا تھا۔ چاہتے تھے کہ بیٹا تجارت میں جائے، پیسے کمائے اسی لیے ان کی خواہش تھی کہ میں کامرس میں گریجویشن کروں۔ دلی کے فتح مسلم ہائی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد میں نے کمرشل کالج میں داخلہ لیا ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سیکھی میں بہت اچھا اسٹینوگرافر ہوں۔

اب بھی پریکٹس کرتا رہتا ہوں اگر کبھی ریڈیو ٹی وی پر تقریر آئے تو شوقیہ نوٹ کرتا رہتا ہوں حالانکہ اسٹاف موجود ہے میں کالج کے میگزین کے اردو سیکشن کا ایڈیٹر تھا۔ وہیں سے صحافت کا شوق پیدا ہوا اپنی تعلیم کے زمانے میں ہی جب دوسری ''جنگ''، عظیم زوروں پر تھی میری عمر اٹھارہ انیس برس تھی۔ میں نے روزنامہ ''جنگ'' نکالا یہ ۱۹۴۱ء کی بات ہے۔ تب یہ شام کا اخبار تھا اور اس کی قیمت ایک پیسہ ہوتی تھی ٹھہریئے میں آپ کو دکھاتا ہوں۔

[دو صفحے کا مختصر ساخستہ حال اخبار جسے آج بہر حال کوئی اخبار تسلیم نہیں کرے گا فریم کے اندر سجا تھا جس میں دوسری جنگ عظیم کے بارے میں کچھ خبریں تھیں]

میر خلیل: آپ چاہیں تو اس کی تصویر بنالیں۔

ہاں تو یہ شام کا اخبار تھا جو مغرب کے وقت شائع ہوتا تھا۔ ان دنوں مسلم لیگ کی تحریک عروج پر تھی دلی میں مسلمانوں کے صرف دو اخبار ''ڈان'' اور ''انجام'' نکلتے تھے بقیہ پورا پریس لیگ کے خلاف تھا اسی زمانے میں، میں ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت جیل بھی گیا انگریزوں کو کوئی چیز ناپسند آجاتی تو وہ پکڑ کر جیل میں ڈال دیتے تھے تقسیم کے بعد جب یہاں آیا تو گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے یہ انتظام تھا کہ صحافی انتقال اقتدار کی رسم کراچی اور دلی دونوں جگہ پر دیکھیں گے لہٰذا یہ رسم یہاں ۱۴ اگست کو ہوئی اور انڈیا میں ۱۵ اگست کو۔ ہندوستان سے آتے ہوئے رستے ہی میں غازی انعام نبی پردیسی مل گئے ان کے ساتھ یہ پروگرام بنا کہ ''جنگ'' اخبار کو دلی سے بھی نکالیں گے اور کراچی سے بھی۔ کراچی میں ''جنگ'' کا جو سب سے پہلا دفتر تھا وہ صرف ایک کمرے کا تھا اور یہ کمرہ وہ ہے جو آج کل روزنامہ امن کا دفتر ہے۔ انعام نبی پردیسی ہمارے ساتھ تھے میں واپس دلی چلا گیا تاکہ ''جنگ'' کو دلی سے نکالنے کا مستقل بندوبست کروں۔ وہ پرچہ نکلا بھی لیکن مستقل نہ چل سکا کیونکہ انڈیا گورنمنٹ نے اسے بند کر دیا۔

طاہر مسعود: کیا کسی الزام کے تحت بند کیا؟

میر خلیل: جی وہ کہنے لگے کہ اس اخبار کا کوئی وارث نہیں ہے مالک نہیں ہے پھر ان دنوں ''جنگ'' کراچی سے شائع ہو رہا تھا ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ہمارے ہندو دوست پاکستان بن جانے کا اتنا برا منائیں گے اور اتنا خون خرابہ ہوگا کہ وہاں مسلمانوں کا رہنا مشکل ہو جائے گا۔

طاہر مسعود: ''جنگ'' کراچی کا ان دنوں کیا حال تھا۔

میر خلیل: حال یہ تھا کہ میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا۔ دفتر میں آکر خود ہی جھاڑو وغیرہ دیتا، مٹی اڑ اڑ کر میز اور کرسیوں پر جم جاتی تو میلے کپڑے سے اسے صاف کرتا، کرسی پر بیٹھ کر خبروں کا ترجمہ کرتا اور اسے کتابت کے لیے دیتا۔

طاہر مسعود: ان دنوں اسٹاف کتنا تھا۔

میر خلیل: ایک میں، ایک انعام نبی پردیسی، دلی میں سید محمد تقی اور رئیس امروہوی صاحبان ساتھ تھے۔ چند مہینوں کے بعد وہ بھی آئے اور ہمارا ساتھ دیا۔ یوسف صدیقی دلی میں شیونرائن بھرنا گر کا کے اخبار ''وطن'' میں تھے۔ وہ بھی یہاں آکر ہمارے ہی اخبار میں آگئے اور پھر آہستہ آہستہ اسٹاف بڑھتا گیا۔

طاہر مسعود: ''جنگ'' کے علاوہ اور کون کون سے اخبارات نکلتے تھے اس زمانے میں؟

میر خلیل: تین اخبار تو اصل میں تھے ''ڈان''، ''انجام'' اور ''جنگ'' اس کے علاوہ اردو کا ایک اخبار ''بلوچستان جدید'' تھا۔ جس کے ایڈیٹر نسیم تلوی صاحب تھے۔ سندھی کا اخبار ''الوحید'' اور انگریزی کا اخبار ''سندھ آبزرور'' اور ''ڈیلی گزٹ'' بھی شائع ہوتا تھا۔

طاہر مسعود: ''جنگ'' ان سے سب کی موجوگی میں مقبول کیسے ہوا؟

میر خلیل: ظاہر ہے زیادہ تر اس کے پڑھنے والے دلی اور یوپی سے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کی سرپرستی کی تو اخبار تیزی سے ترقی کی جانب بڑھا غرض یہ کہ دلی، یوپی، بمبئی اور مشرقی پنجاب سے جیسے جیسے مہاجرین آتے گئے اخبار کی اشاعت بڑھتی گئی۔

طاہر مسعود: یہ احساس آپ کو کب ہوا کہ ''جنگ'' ملک کا سب سے بڑا اخبار بن گیا ہے؟

میر خلیل: شروع میں تو یہ سوچا ہی نہیں کہ اخبار بڑا ہے یا چھوٹا اصل مسئلہ تھا اخبار کو مستحکم کرنے کا، ہاکر جو آرڈر بک کرایا کرتے تھے میں انہی پیسوں سے کاغذ خرید کر پریس میں پہنچایا کرتا تھا مثلاً ہاکر آتے تو میں ان سے پوچھتا میاں آج تمہیں کتنے اخبار چاہیے وہ کہتا دوسو تو ان دوسو اخباروں کے پیسے سے کاغذ خرید کر پریس پہنچاتا۔ کاغذ زیادہ مہنگا نہیں ہوتا تھا چار پانچ روپے کا ایک رم مل جایا کرتا تھا اس طرح سے آہستہ آہستہ ایک ہی دن میں کئی بار کاغذ مشین پر پہنچتا رہتا اور چھپتا رہتا، مطلب یہ ہے کہ اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے کہ ایک دم بازار سے کاغذ خرید کر پریس میں ڈال دیا۔ آج یہ حال ہے کہ ایک وقت میں ایک کروڑ روپے کا کاغذ پریس میں اسٹاک رکھ سکتے ہیں۔ بہرکیف پھر اتنی پوزیشن ہوگئی کہ ان معاملوں میں خود کفیل ہوتے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس ادارے کو کسی قسم کی بیرونی امداد کی کبھی ضرورت پڑی اور نہ ہی خدا کرے آئندہ پڑے۔

اب آج آپ چاہیں مجھے کچھ بھی کہہ لیں، سرمایہ دار کہہ لیں یا سیلف میڈ کہہ لیں اکثر ایسی بات ہو جاتی ہے بعض دوست جنہیں ہم سے تکلیف پہنچتی ہے وڈیرہ کہتے ہیں۔ خدا کرے کہ وہ بھی اس پوزیشن میں پہنچ جائیں۔

طاہر مسعود: کہ لوگ انہیں بھی وڈیرہ کہیں؟

میر خلیل: نہیں میں یہ تو نہیں کہوں گا لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان سے کوئی جا کر پوچھے کہ کیا وہ ''جنگ'' اخبار کی طرح اپنے اخبار کو نہیں بنانا چاہتے۔ تو وہ کبھی انکار نہیں کریں گے۔

طاہر مسعود: آخر ان اخباروں کو آپ سے کیا تکلیف پہنچتی ہے؟

میر خلیل: جائیداد کا جھگڑا تو ہے نہیں شکایت یا گلہ ہی ہوسکتا ہے چونکہ ''جنگ'' کی اشاعت زیادہ ہے اس لیے اسے اشتہارات بھی زیادہ مل جاتے ہیں۔ اسی لیے بہت سے دوست اسے کثیر الاشاعت کے ساتھ ساتھ کثیر الاشتہارات بھی کہتے ہیں انہیں کہنے کا پورا حق حاصل ہے ویسے بھی میں چھوٹا تھا اور بڑا بنا ہوں ممکن ہے ''جنگ'' نہ ہو تو آخر کوئی نہ کوئی اخبار تو اس کی جگہ لے گا۔

میں نے تو بڑے بڑے اخباروں کو ڈوبتے دیکھا ہے۔ آزاد اخباروں کو تو ویسے بھی خطرہ رہتا ہے کہ جس دن عوام کا یقین اور بھروسہ اس پر سے اٹھا وہ ختم ہوگیا۔ پارٹی اخبار کے لیے تو ٹھیک ہے کہ وہ پارٹی لائن پر چلتا رہے۔ پارٹی کی حمایت کرنے والے اسے پڑھیں گے ہی۔ لیکن ہم پر تو لوگ اعتماد کرتے ہیں کہ ہم ان سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائیں گے میرے نزدیک تو آزادی اظہار رائے کا یہی تصور ہے کہ آپ کے شہر میں کل کیا واقعات ہوئے۔ آج لوگ انہیں جاننا چاہتے ہیں اب پچھلی حکومت کا یہ حال تھا کہ اسٹوڈنٹس اسمبلی ہال کے باہر ہنگامے کر رہے ہیں۔ عورتوں پر لاٹھی پڑ رہی ہے ساری دنیا دیکھ رہی ہے اور اوپر سے حکم آرہا ہے کہ خبر مت دینا ارے بھئی کیسے خبر نہیں دینا لوگ اندھے ہیں کیا..... خیر آج کل کی حکومت میں یہ بات نہیں ہے۔

طاہر مسعود: گزشتہ دنوں جنرل ضیاء الحق نے آپ کے اخبار کے دفتر کا دورہ کیا ان کا یہ دورہ صحافتی پیشے کے لیے بڑا خوش آئند ہے کیا وہ اچانک تشریف لائے تھے یا آپ کی دعوت پر آئے تھے؟

میر خلیل: ان کی اپنی خواہش تھی انہوں نے دریافت کرایا تھا کہ وہ کراچی آرہے ہیں کیا میں کراچی میں ہوں گا؟

طاہر مسعود: کیا انہوں نے خود آپ سے بات کی تھی؟

میر خلیل: جی ہاں انہوں نے کہا کہ آپ سے ملاقات ہونی چاہئے۔ کیا خیال ہے میں آپ کے دفتر آؤں؟ میں نے کہا عزت افزائی ہوگی ضرور تشریف لائیے اور جس دن وہ آئے وہ ایک تاریخی دن تھا انہوں نے اخبار کو یہ عزت بخشی۔

طاہر مسعود: لیکن وہ صرف آپ ہی کے اخبار کے دفتر کیوں آئے جب کہ کئی دوسرے اخبارات کے دفاتر بھی قریب ہی تھے؟

میر خلیل: ابھی تو ابتدا ہے میرا خیال ہے وہ دوسرے اخبارات کے دفاتر بھی جائیں گے۔

طاہر مسعود: پاکستان کا مستقبل اور پاکستان کی فلاح و بہبود، یہ کبھی نہ بدلنے والا نصب العین ہے۔ اس بنیاد پر

حکمرانوں سے اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔ اختلاف بھی مگر آپ کے اخبار میں کسی بھی پارٹی یا فرد کے برسر اقتدار رہنے تک اس کی مخالفت نہیں کی جاتی البتہ اقتدار کے خاتمے کے بعد اس کا سارا ماضی کھنگال کر اس میں کیڑے نکالے جاتے ہیں ایسا کیوں ہے۔ کیا اقتدار کی حمایت اور پاکستان کی حمایت میں آپ اقتدار کی حمایت کا انتخاب کرتے ہیں یعنی آپ کے اخبار کی پالیسی پاکستان کے سیاسی مفادات کے خلاف ہوتی ہے؟

میر خلیل: آپ کا سوال سو فیصدی صحیح نہیں ہے اقتدار کے زمانے میں بھی حکومتوں پر ہم نے تنقیدیں کی ہیں اگر تنقید نہ کی ہوتی تو میرے خلاف انکم ٹیکس کی انکوائری نہ ہوتی، نیوز پرنٹ محدود نہ کر دیا جاتا، اشتہارات نہ بند ہوتے۔ ۴ جولائی سے پہلے تک سارے اشتہارات بند تھے۔

اصل میں ہمارا خیال شروع سے اعتدال پسند رہا ہے ہم انتہا پسندی اور محاذ آرائی کی پالیسی نہیں چاہتے نہ حکومت کے ساتھ نہ حزب اختلاف کے ساتھ اب آپ ''جنگ'' کو ایسا اخبار سمجھیں جو ہمیشہ حکومت پر نکتہ چینی کرتا رہے اور ہر وقت حکومت کے ساتھ نبرد آزما رہے تو یہ بڑے اخبار کا کام نہیں ہے۔ ''جنگ'' ایک ادارہ ہے بہت بڑا ادارہ ہے میں اس کا ایڈیٹر اور مالک ہوں۔ لیکن مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنے کسی ایک جذباتی عمل سے ہزاروں افراد کی روزی داؤ پر لگا دوں جو اس ادارے میں کام کرتے ہیں۔

طاہر مسعود: لیکن جناب اخبار عوام کے لیے ہوتا ہے اگر پورے عوام کا مستقبل داؤ پر لگا ہو تو قوم کے وسیع تر مفاد کے سامنے ایک ادارے کا مفاد کیا اہمیت رکھتا ہے؟

میر خلیل: میں نے کہا نا کہ ایسے وقت میں ہم نے آگے بڑھ کر کام کیا ہے۔ آخر اردو کا معاملہ تھا اس میں ہم اعتدال سے بڑھے اور حکومت کے دل میں یہ بات بیٹھی کہ سندھ میں ہماری آواز سنی گئی ہے؟

طاہر مسعود: اردو کے معاملے میں تو خود ''جنگ'' کی اشاعت پر اثر پڑ سکتا تھا لیکن اگر ہم مان بھی لیں تو یہ بتائیے کہ جب اسلام آباد میں سب کو جمع کر کے ایک ناپسندیدہ سمجھوتہ ہوا تو ''جنگ'' خاموش کیوں رہا۔ اصل کام تو اس وقت شروع کرنا چاہیے تھا۔

میر خلیل: اگر وہاں کوئی خفیہ معاہدہ ہوا ہو تو مجھ کو اس کا علم نہیں لیکن ہم واضح کر دیں کہ ہماری پالیسی محاذ آرائی کی نہیں ہے ہمیں بہت سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔

طاہر مسعود: کیا ایسا اس لیے تو نہیں کہ آپ اخباری صنعت کو بہت منفعت بخش کاروبار سمجھتے ہیں اس لیے حکومت وقت سے کسی قسم کی مخالفت مول لینا پسند نہیں کرتے۔

میر خلیل: نہیں ایسا نہیں ہے خبریں ہم کسی کی نہیں چھپاتے سب کی دیتے ہیں۔ بھٹو صاحب کے زمانے میں انہیں شکایت تھی کہ ہم اپوزیشن کی خبریں زیادہ دیتے ہیں۔ میرے خیال میں اخبار کو آزادی دینی چاہیے پھر یہ بھی دیکھیے

کہ ہم تو ایک عام شہری ہیں ہمیں ان سے زیادہ حقوق تو نہیں ملے ہیں پاکستان کے آئین میں۔

طاہر مسعود: بہر حال میر صاحب آپ کو یہ ماننا چاہیے کہ کچھ دوسرے اخبارات اور ہفت روزوں نے بھٹو صاحب کے زمانے میں جس طرح سے ان کے خلاف آواز اٹھائی آپ نے نہیں اٹھائی۔اس کے باوجود کہ حکومت کے اچھے برے کاموں کے بارے میں آپ خود جانتے تھے۔

میر خلیل: ممکن ہے کہ جن اخبارات کا آپ ذکر کر رہے ہیں انہیں ہم سے زیادہ معلوم ہو جب ہی انہوں نے لکھا اب آپ مجھے بتائیے کہ یہ قرطاس ابیض چھپا ہے۔[شیلف سے بے حد ضخیم وہائٹ پیپر کی جلد اٹھا کر اس کو کھولتے ہوئے] ان پر لکھا ہے کہ ''انتہائی خفیہ'' آپ کے خیال میں ان کے بارے میں ہمیں پتہ چل سکتا تھا کہ کیا ایکشن ہو رہا ہے ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا ہاں سنی سنائی باتیں بہت تھیں۔

طاہر مسعود: ایک سنی سنائی بات تو ہمارے پاس بھی ہے بھٹو کے آخری دنوں میں آپ کی ان سے ایک بار تلخ کلامی بھی ہوئی تھی کیا قصہ تھا؟

میر خلیل: وہ صحافیوں کی آخری میٹنگ تھی۔مگر اسے تلخ کلامی تو نہیں کہنا چاہیے۔صفائی کے ساتھ بات ہوئی تھی۔ ان دنوں تحریک بڑے زوروں پر تھی ہنگامے بڑھ گئے تھے۔ری پبلک موٹرز میں آگ بھی لگی تھی۔موڈ ان کا [بھٹو کا] بہت خراب تھا۔معاملات ان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔صحافیوں کی اس میٹنگ میں انہوں نے کہا کہ ''جنگ'' نے کراچی کی فضا خراب کی ہے۔میں نے کہا کہ آپ کا یہ الزام بالکل غلط ہے۔لوگ آپ پر الزام لگا رہے ہیں کہ دھاندلی ہوئی ہے۔انتخابات میں آپ کو چاہیے کہ ایسے طریقے اختیار کریں کہ لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اس کے بجائے کہ آپ ''جنگ'' کو کہیں۔وہ یہ نہ چھاپے اور وہ نہ چھاپے اصل مسئلے کو حل کریں۔''جنگ'' کا قصور تو جب ہوتا کہ الیکشن ہوتے لوگ مطمئن ہو جاتے اور ''جنگ'' اخبار چلاتا کہ لوگو اٹھو! تحریک چلاؤ دھاندلی ہوئی ہے۔اتنی صفائی سے بات کہنا انہیں ناگوار گزرا۔

[دروازہ کھلتا ہے شلوار قمیض میں ایک گورے رنگ کا بیس بائیس سال کا نوجوان قریب آ کر کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔]

یہ ہمارے چھوٹے صاحبزادے ہیں میر شکیل الرحمان۔

طاہر مسعود: نام سنا تھا، ملنے کا اتفاق اب ہوا ہے۔

طاہر مسعود: برصغیر کی کوئی صحافتی شخصیت جن سے آپ متاثر ہوئے ہوں؟

میر خلیل: مولانا ظفر علی خان سے متاثر تھا جب میں نے اخبار نکالا تو وہ بقید حیات تھے پاکستان بننے کے بعد حمید نظامی نے متاثر کیا۔وہ بڑے اصول پرست اور سچے صحافی تھے۔

طاہر مسعود: زندہ شخصیتوں میں کس کی شخصیت آپ کے لیے سحر انگیز ہے۔

میر شکیل الرحمان: میرا نام لے دیجیے۔

میر خلیل: بھی سبھی سے متاثر ہوں سب میرے ہم عصر ہیں۔ یہ تو جھگڑے والی بات ہے۔

طاہر مسعود: ایڈیٹوریل کا مفہوم ایڈیٹر کی رائے ہے۔ اخباری صنعت میں اب یہ دستور ہے کہ اداریہ لکھنے کے لیے کئی کئی اداریہ نگار ملازم ہوتے ہیں جو ایڈیٹر کی غیر موجودگی میں بھی اپنا کام جاری رکھتے ہیں، آپ کے خیال میں یہ عجیب سی بات نہیں لگتی؟

میر خلیل: بالکل عجیب سی بات ہے ہمارے یہاں ایڈیٹوریل کئی افراد لکھتے ہیں مثلاً خالد فاروقی، یوسف صدیقی وغیرہ ایڈیٹوریل لکھنے سے قبل ایک میٹنگ ہوتی ہے جس میں ہم طے کرتے ہیں کہ کن لائنوں پر اداریہ لکھنا ہے۔ البتہ بعض موضوع ایسے ہوتے ہیں جن پر ہم مشورہ نہیں کرتے جیسے اسرائیل اور فلسطین کا معاملہ ہے یہودیوں کو عرب کے علاقے خالی کرنے چاہیں۔ اس کے بارے میں کوئی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ افغانستان یا دیگر دوست ممالک پر اظہار رائے کرتے وقت اپنے ملک کا خیال رکھنا پڑتا ہے تاکہ دوست ممالک بھی ناراض نہ ہوں۔

طاہر مسعود: اخبار کے منتظم اور ادارے کے سربراہ ہونے کے علاوہ بھی کیا آپ کا اخبار میں کوئی تحریری کنٹری بیوشن ہے؟

میر خلیل: اداریئے کے علاوہ اگر کبھی کبھار باہر جاؤں اور واپسی پر کوئی مضمون وغیرہ لکھتا ہوں تو لکھتا ہوں مثلاً پچھلے دنوں جرنیل ضیاالحق کے ساتھ کویت اور مڈل ایسٹ کے دورے پر گیا تھا اس سے پہلے چین کے دورے پر

طاہر مسعود: آپ کے اخبار میں یہ عام تاثر ہے کہ جیسے آپ کے اخبار میں جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے پاکستان کی لابی بے حد مضبوط ہے کبھی آپ کی نظر ان پر پہنچی؟

میر خلیل: [ہنستے ہوئے] یہ تو اچھی بات ہے کہ ایک سے زیادہ کی لابی مضبوط ہو لیکن خبروں کے معاملے میں ہمارے ہاں انصاف ہونا چاہیے اور اہمیت کے اعتبار سے خبریں لگنی چاہئیں یہ چونکہ بڑا اور عوامی اخبار ہے اس لیے لوگوں کو شکایتیں رہتی ہیں اور اکثر صحیح ہوتی ہیں۔ میں نے تو ہدایت کی ہوئی ہے کہ جب دفتر میں بیٹھیں تو آپ کا ذاتی خیال کچھ بھی ہو سب کے ساتھ مساوی اور برابر کا سلوک کریں۔ اپنی خواہشات کو اخبار کے ذریعے اجاگر نہ کریں اس سے بھی برا اثر پڑے گا۔ کافی حد تک مجھے اس میں کامیابی ہوئی ہے۔

''جنگ'' میں جب ہم کسی کو رکھتے ہیں تو یہ نہیں پوچھتے کہ آپ کس جماعت سے ہیں کیونکہ بہر حال کسی نہ کسی طرف تو جھکاؤ ہوگا۔ صحافی ہماری آبادی کا موثر حصہ ہیں یہ ممکن نہیں کہ وہ نیوٹرل ہوں اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان سب سے عہد نامہ لیا جائے کہ میں کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ خدا کو حاظر ناظر جان کر کہتا ہوں ہمارے

خیال میں اخبار میں ہر قسم کے لوگ ہیں جماعت اسلامی کے ہمدرد بھی ہیں، جمعیت علمائے پاکستان کے بھی تحریک استقلال کے بھی بلکہ چھاپرا صاحب تو تحریک استقلال کے باقاعدہ سرگرم رہنما ہیں۔ پی ایف یو جے اپنک کے بھی ہمدرد لوگ ہیں۔ اب ان کو سو فیصدی تو کنٹرول نہیں کر سکتے اگر ان میں سے کوئی کسی خاص صفحے کا انچارج ہے تو اس روز اس صفحے پر اس کے اپنے خیالات جھلکتے ہیں۔ اگر کوئی جماعت اسلامی کا حمایتی ہے تو اس دن اس کی ڈبل خبر لگ جاتی ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ خبر دبا دیں یا چھپا دیں۔ چھپتی ضرور ہیں جرنلسٹ ہیں فرشتے تو نہیں ہیں کہ بھول چوک نہ ہو۔

طاہر مسعود: ''جنگ'' کا ادارتی صفحہ بہت ہی بے جان اور غیر دلچسپ ہوتا ہے اس لیے بہت سے صحافیوں کا یہ خیال ہے کہ ''جنگ'' کا خبری صفحہ اور جسارت کے ادارتی صفحے کے ملاپ سے ایک بہترین اور آئیڈیل اخبار وجود میں آتا ہے آپ کی کیا رائے ہے؟

میر خلیل: مجھے آپ کی یہ بات تسلیم ہے واقعی ہمارا ادارتی صفحہ غیر دلچسپ ہوتا ہے اور ہماری کوشش ہے کہ ہم اس صفحے کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنائیں کمزوریاں موجود ہیں ہمیں ابھی بہت کام کرنا ہے کیوں کہ ہم ''جنگ'' کو مکمل اخبار تو نہیں کہہ سکتے تجربے ہم کر رہے ہیں [اشارہ کرتے ہوئے] میر شکیل الرحمان نئے نئے تجربے کر رہے ہیں جسارت کا صفحہ اپنی پالیسی کے مطابق بہت اچھا ہے نوائے وقت کا بھی ادارتی صفحہ اپنی جگہ اہم اور موثر ہے۔

طاہر مسعود: آپ کے اخبار کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ آپ قاری کو اس سے پیسے لے کر اشتہار پڑھاتے ہیں اور آپ کے اخبار میں اشتہارات کا تناسب خبری اور نظری مواد سے بہت زیادہ ہوتا ہے کیا یہ عدم توازن ایسے قارئین کے ساتھ انصاف ہے جو آپکے اخبار کو اخبار سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہیں۔ اشتہار نہیں۔

میر خلیل: ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ریڈنگ میٹیریل کو بڑھائیں پہلے کاغذ نپا تلا ملتا تھا موجودہ حکومت نے کاغذ کے سلسلے میں سہولتیں دی ہیں۔ پھر بھی ابتدائی مشکلات ہیں کیونکہ کاغذ کی سلسلہ وار درآمد شروع نہیں ہوئی ہے اس کے باوجود [اخبار اٹھاتے ہوئے] دیکھئے آج جمعہ ایڈیشن میں کل بیس صفحات شائع ہوئے ہیں [وہ پورا اخبار صفحہ در صفحہ کھول کر بتاتے ہیں کہ ہر صفحے پر کتنے اشتہارات ہیں اور کتنے اشتہارات کے بغیر] تو ان بیس صفحات میں ہم نے دس صفحے کا ریڈنگ میٹریل دے دیا ہے۔

طاہر مسعود: تین مواقع پر ایسا دیکھا گیا کہ آپ نے اپنے اخبار کے مواد کو بڑھانے اور رنگ و روپ سنوارنے پر توجہ دی پہلی بار اس وقت جب ''حریت'' جاری ہوا، دوسری بار اس وقت جب ''مشرق'' کا کراچی سے اجراء ہوا تیسری بات جب ''جسارت'' آپ کے لیے چیلنج بن رہا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ آپ اپنے معاصر اخبارات کے دباؤ ہی سے اپنے قارئین کو ان کا حق دینے پر رضامند ہوتے ہیں۔

میر خلیل: اخبارات ایک Healthy Competition ہی سے زندہ رہتے ہیں اور اب جسارت کا آنا مبارک ہو اس طرح کل کوئی اور اخبار نکلے گا تو ہمیں مزید چوکنا ہونا پڑے گا۔

طاہر مسعود: مسئلہ یہ ہے کہ لوگ آپ کے اخبار کو دوسرے اخبارات پر ترجیح دیتے ہیں تو یہ آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ اپنے اخبار کو بہتر سے بہتر بنا کر پیش کریں نہ کہ دوسرے اخبار کی دیکھا دیکھی خوف کھا کر اپنے اخبار کے رنگین ایڈیشنز میں اضافہ کرتے چلے جائیں۔

میر خلیل: ہم نے ایسا نہیں کیا.....

میر شکیل الرحمان: [بات کاٹتے ہوئے] ''جنگ'' تو کوئٹہ اور پنڈی سے بھی نکلتا ہے وہاں تو جسارت نہیں ہے پھر وہاں ہمارے ایڈیشن کیوں نکلتے ہیں۔

میر خلیل: ذرا کوئٹہ کا فائل اٹھانا

[میر شکیل کمرے کی پچھلی طرف سے فائل اٹھا کر لاتے ہیں میر خلیل فائل کھول کر دکھاتے ہیں]

یہ دیکھئے یہ کوئٹہ اور پنڈی کا اخبار ہے اس میں بھی ایسے ہی رنگین ایڈیشن ہیں اب تو ہمارا مقابلہ کلرڈ ٹیلی ویژن سے ہے اگر اخبارات میں IMPROVEMENT نہیں کریں گے تو اخبار ترقی نہیں کرے گا اب آج ہی کے اخبار کو دیکھیں ہم نے جرنیل ضیاء الحق کی دو تصاویر چھاپی ہیں خطاب کرتے ہوئے۔ رات ٹیلیویژن پر پندرہ منٹ کی پوری ریل چل چکی ہے تو لوگوں کو اس تصویر میں کیا دلچسپی ہمیں اخبار میں اور دلچسپیاں پیدا کرنی ہوں گی۔

ایک بات اور انگریزی اخباروں کی اشاعت آخر کیوں نہیں بڑھتی۔ پندرہ پندرہ سال سے ان کی تعداد اشاعت ایک ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کسی سے مقابلہ نہیں ہے۔ اس لیے ریڈر شپ بھی نہیں بڑھتی۔

طاہر مسعود: آپ کا ادارتی صفحہ کسی یک جہت پالیسی کی عکاسی نہیں کرتا۔ اس ایک صفحے پر بھانت بھانت کے لوگ اکٹھے نظر آتے ہیں مثلاً جمیل الدین عالی، احمد ندیم قاسمی، مولانا احتشام الحق، حافظ بشیر غازی آبادی میں کوئی قدر مشترک نہیں بعض اوقات ان کے خیالات ایک دوسرے کی تکذیب و تردید کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپ کا ادارتی صفحہ قاری کو رائے زنی میں مدد دینے کے بجائے اس کے لیے انتشار فکر کا باعث بنتا ہے؟

میر خلیل: میں اس کے برعکس سمجھتا ہوں کیونکہ یہ آزاد اخبار ہے تو ایک سے زیادہ رائے بھی دی جائے گی تاکہ ریڈرز اپنی رائے قائم کر سکیں۔ اس کے علاوہ ذرائع ابلاغ کا بھی فرق ہے۔ بعض ذرائع ابلاغ ایسے ہیں جو کہ صرف ایک ہی سمت جا سکتے ہیں مخالف نہیں جا سکتے مثلاً پیپلز پاٹی کے اخبار میں مولانا مودودی، شاہ احمد نورانی،

اصغر خان وغیرہ اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ پارٹی پیپر ہے۔

ہمارے یہاں سب اپنی رائے ظاہر کر سکتے ہیں۔

طاہر مسعود: یہ سب کو خوش رکھنے کی پالیسی تو نہیں ہے۔

میر خلیل: جی نہیں آپ کی وہ بات بھی غلط ہے کہ یہ پالیسی انتشار پیدا کرتی ہے میرے خیال میں تو یہ لوگوں کو Educate کرتی ہے۔لوگ اپنی رائے بناتے ہیں۔البتہ بعض چیزیں بنیادی ہیں کچھ ایشوز ایسے ہیں جنہیں ہم زیر بحث نہیں لاتے۔خود رائے دیتے ہیں اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ قادیانیوں کے ایشو پر جس کا جی چاہے لکھے، ہاں بجٹ پر بات ہوسکتی ہے کہ اچھا ہے یا برا ہے۔اس پر بحث ہوسکتی ہے کہ بلدیاتی الیکشن پہلے ہوں یا بعد میں اس سے لوگوں میں سوچنے کا اور اپنے خیالات مستحکم کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

طاہر مسعود: رئیس امروہوی صاحب کو شہرت آپ کے اخبار سے ملی۔وہ لوگوں کے روحانی اور ذہنی امراض کا علاج بھی کرتے ہیں ہمیں کئی لوگ ایسے ملے جنہوں نے ہمیں بتایا کہ رئیس صاحب نے علاج کے بہانے ان سے پیسے جھونس لیے۔ایک صاحب کا یہاں پر خصوصی تذکرہ کروں گا جنہوں نے اپنا ایک مسئلہ انہیں لکھ بھیجا جس کا جواب مبینہ طور پر رئیس امروہوی کی جانب سے یہ آیا کہ آپ پہلے ساڑھے ستائیس روپے منی آرڈر کریں مسئلے کا حل یعنی کچھ مشقیں وغیرہ آپ تک پہنچ جائے گا۔

میر خلیل: کیا یہ تعویز گنڈے والا کالم جو ہے اس کے سلسلے میں جواب دیا۔

طاہر مسعود: جی ہاں ''جنگ'' کے اسی تعویز گنڈے والے کالم کے حوالے سے انہوں نے جواب دیا۔تو مطلب یہ ہے کہ کیا اس قسم کے کیسز سے ''جنگ'' کی ساکھ متاثر نہیں ہوتی؟

میر خلیل: [سوچتے ہوئے] رئیس صاحب ایسا کر تو نہیں سکتے انہیں کرنا بھی نہیں چاہیے میں ان سے پوچھوں گا [ٹھہر کر] ابھی ٹیلی فون پر پوچھ لوں۔

طاہر مسعود: پوچھ لیں۔

میر خلیل: [میر خلیل ڈائل گھماتے ہیں دوسری جانب سے کوئی ریسیور اٹھاتا ہے۔پوچھتے ہیں رئیس امروہوی ہیں؟ جواب ملنے پر کہتے ہیں۔نہیں نہیں چھوڑ دیں رہنے دیں]

میر خلیل: رئیس امروہوی کمرے میں سو رہے ہیں۔بچہ کہہ رہا ہے کہ میں کمرے میں نہیں جاتا۔ڈر لگتا ہے۔اب یہ ہے کہ جب رئیس امروہوی کا قرطاس ابیض چھپے گا تو پڑھ لیجئے گا۔[ہنستے ہیں کمرے میں ایک اور شخص داخل ہوتا ہے سیاہ چشمہ، سیاہ داڑھی، سفید شلوار کرتے میں ملبوس]

میر خلیل: آپ ان سے واقف ہیں یہ محمود احمد مدنی ہیں۔

طاہر مسعود: جی ہاں میں انہیں جانتا ہوں پہلے ملا بھی ہوں۔

میر خلیل: تو رئیس امروہوی صاحب کی ریپوٹیشن تو بہت اچھی ہے میں ان کی عزت بھی کرتا ہوں ملک کے نامور شاعر ادیب ہیں۔

طاہر مسعود: لیکن یہ جو ان کا جناتی کالم ہے۔اس کے بارے میں کراچی یونیورسٹی کے سائیکولوجی ڈپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹ بہت مزاحیہ رائے رکھتے ہیں، سائیکولوجی کے ٹیچرز بھی خاصا مذاق اڑاتے ہیں کہ ان بے چارے کو معلوم ہی نہیں کہ نفسیات کیا ہے؟

میر خلیل: میں یہ بات نہیں کر رہا۔میں تو یہ جانتا ہوں کہ پاکستان میں ان سے اچھا قطعہ نویس کوئی نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی بدل ہے سائیکولوجی پر لکھنے والے اور مل جائیں گے۔لیکن روزانہ حالات حاضرہ پر ایسا قطعہ لکھنے والا کوئی نہیں ملے گا۔

طاہر مسعود: یہ بات تو ہے!

میر خلیل: اور آپ نے جو کہا کہ ادارتی صفحہ بے جان اور غیر دلچسپ ہوتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہمارے پاس جو اچھے لکھنے والے تھے وہ اب رہے نہیں۔شوکت تھانوی، مجید لاہوری، ابراہیم جلیس اور ابن انشاء سب کے سب دنیا سے چلے گئے اور ان کی جگہ پر نہیں ہوسکی اب یہی گنے چنے رہ گئے ہیں جن میں رئیس صاحب بھی ہیں۔ویسے ہم اور لکھنے والوں کو بھی تلاش کرتے رہتے ہیں۔

طاہر مسعود: یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ آپ کا اخبار معاشرے کے مختلف طبقات کے دباؤ کے تحت خبریں چھاپتا ہے مثلاً طالب علموں کی خبریں۔جس میں چند نام نہاد طالب علم لیڈر کچھ لڑکوں کو لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں دھمکیاں دیتے ہیں اور اگلے روز ان کی دو کالمی خبریں چھپی ہوتی ہیں؟

میر خلیل: یار اب بچے آتے ہیں ضد کرتے ہیں کہ آپ کا اخبار زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ہماری خبریں چھاپ دیں تو ہم ان سے کیا بحث کریں۔ہم سیاسی پارٹیوں کا دباؤ قبول نہیں کرتے ہم کبھی ان کے دباؤ میں نہیں آئے۔

طاہر مسعود: آپ نے اپنے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو بھی صحافتی زندگی میں شامل کرلیا ہے۔جب کہ آپ کو اس پیشے کی کٹھنائیوں کا اندازہ تو ہوا ہی ہوگا۔کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے بچے آپ کے بہترین جانشین ثابت ہوں گے؟

میر خلیل: یہ خود بچوں پر منحصر ہے اگر ان کا جی چاہے گا تو پڑھ لکھ کر باہر چلے جائیں گے، بزنس کریں گے یا مزید پڑھیں گے ادھر آنا چاہیں تو ادھر بھی آسکتے ہیں۔

طاہر مسعود: لگتا تو یوں ہے کہ آپ میر شکیل الرحمان کو ابھی سے ٹرینڈ کر رہے ہیں۔اخبار میں ان کا نام بھی خاصا آتا ہے اور بقول آپ کے یہ کام بھی کر رہے ہیں۔

میر خلیل: میرے دو بیٹے ہیں جاوید اور شکیل۔ جاوید الرحمان نے اسلامک ہسٹری میں ایم اے کیا ہے اور شکیل نے بی کام کیا ہے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا ہے کہ تم میں سے ایک بھائی کو ایڈمنسٹریشن سائیڈ میں ہونا چاہیے اور دوسرے کو ایڈیٹوریل سائیڈ میں۔ دونوں سائیڈز جب تک مضبوط نہیں ہوں گی اخبار مضبوط نہیں ہوگا۔ کیونکہ بڑے بڑے ادیب اور صحافی جیسے مولانا ظفر علی خان، حسرت، احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، مولانا عبدالمجید ان کی تحریروں میں بڑی جان تھی۔ ان کے اخبارات اور صفحے بھی کامیاب تھے لیکن یہ سب کے سب انتظامی امور میں پیچھے تھے اس لیے رہ گئے۔ اگر دونوں بھائی دونوں سائیڈز پر رہے تب تو چلا سکتے ہیں۔

طاہر مسعود: ورنہ؟

میر خلیل: ورنہ ادارہ تو رہے گا یہ نہیں ہوں گے اب تو میں بھی چاہوں تو اس ادارے کو ختم نہیں کر سکتا۔

طاہر مسعود: ان دونوں بھائیوں کے نہ ہونے کی صورت میں ادارے کی کیا صورت ہوگی؟

میر خلیل: کوئی نہ کوئی صورت بن ہی جائے گی یہ تو ایک ٹیم ورک ہے۔ ایک کیپٹن چلا جائے گا تو دوسرا آ جائے گا جو کام کرنے والے ہیں اسے کامیابی سے چلائیں گے اب تو اگر اس اخبار کو کوئی نقصان بھی پہنچانے کی کوشش کرے تو دس ہاتھ ہیں اسے پکڑنے کے لیے۔

طاہر مسعود: آئندہ پلاننگ کیا ہے کیا کوئی مزید اخبار وغیرہ نکالنے کا پروگرام ہے؟

میر خلیل: میرا کوئی پلان نہیں ہے ان کا پلان ہو تو ہو [میر شکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے] میں چاہتا ہوں کہ اب تھوڑا سا ریٹائر ہو جاؤں۔ بہت کام کر لیا۔ بہت کام۔

طاہر مسعود: آپ لاہور سے ''جنگ'' کیوں نہیں نکالتے جب کہ وہاں بہت مانگ ہے؟

میر خلیل: لاہور اور پنڈی قریب قریب ہے اگر لاہور سے بھی اخبار نکالا تو پنڈی کا اخبار جو گوجرانوالہ تک جاتا ہے وہ سکڑ جائے گا۔ لاہور سے اس لیے بھی نہیں نکالا کہ وہاں کافی اخبارات پہلے سے موجود ہیں۔

طاہر مسعود: سنا ہے کہ لاہور میں جنگ کی خاصی ڈیمانڈ ہے؟

میر خلیل: کیا خیال ہے نکالوں لاہور سے بھی۔

طاہر مسعود: میں تو سوال کر رہا تھا اگر ضرورت محسوس کریں تو شروع کر دیں لاہور سے بھی۔

میر خلیل: [وقفہ]

طاہر مسعود: میر صاحب ایک ذاتی سا سوال ہے آپ کے دو بھائی میر جمیل الرحمان اور میر حبیب الرحمان..... پہلے آپ کے ساتھ ہی تھے پھر ان سے آپ کے اختلافات ہو گئے۔ اختلافات کی نوعیت کیا تھی۔

میر خلیل: [پریشان ہو کر] یہ سوال آپ بالکل نہ کریں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس سے بڑی افسوس ناک بات ہے بہت ہی افسوس ناک اسے رہنے دیں۔